© rasailojaraid.com

عصمت انبیاء علیہم السلام

(حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی صاحب شیخ الحدیث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً قطع نظر دیگر خصوصیات و کمالات نبوّت کے اتنی بات تو ہر اس شخص کے نزدیک مسلمات سے ہے جو اللہ تعالٰے کی نازل کی ہوئی کسی کتاب اور دین سماوی پر اعتقاد رکھتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا تعالٰے کے پیغامبر اور اس کے احکام کے مبلغ ہوتے ہیں جن کا کام لوگوں کو راہ ہدایت دکھانا اور نجات اخروی کے طریقے بتانا ہے عقل و انصاف کی روشنی میں اتنی ہی بات ان کی معصومیت تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے۔

مگر انتہائی افسوس و تعجب ان اہل کتاب پر ہے جنھوں نے نبیوں کو نبی مان کر ان کے متعلق ایسے ناپاک من گھڑت قصے وضع کیے اور حیا سوز بہتان تراشے جنھیں سن کر انسانیت شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہے اور ایک انتہائی گنہ گار آدمی بھی ان کے تصور سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

مثال کے طور پر سیدنا لوط علیہ السلام کا ان کی صاحبزادیوں سے متعلق وہ شرمناک واقعہ جو بائیبل میں مرقوم ہے سامنے رکھیے حیا اجازت نہیں دیتی کہ وہ الفاظ نقل کیے جائیں۔ ناظرین کرام اگر تصحیح نقل کے لیے اصل عبارت دیکھنے کے خواہشمند ہوں تو پیدائش باب ۱۹، آیت ۳۰ تا ۳۸ بائیبل صفحہ ۱۵ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس کے جواب میں عیسائیوں کا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ لوط علیہ السلام کی لاعلمی میں ہوا ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ان افعال کی نوعیت ایسی ہے جو اللہ کے نبی کی شان کے لائق کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ یہ بے حیائی عام آدمی کے لیے بھی سخت ذلت و رسوائی کا موجب ہے چہ جائیکہ ایک نبی کے لیے اس کا ارتکاب تسلیم کیا جائے۔ ایسی لاعلمی انبیاء علیہم السلام کے منصب نبوّت کے پیش نظر عقل سلیم ایک آن کے لیے بھی ان کے حق میں ممکن تسلیم نہیں کرتی۔ خدا کا نبی خدائے قدوس کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نورِ نبوّت کی وہ روشنی اور بصیرت لے کر آتا ہے جس کے ہوتے ہوئے اس قسم کی لاعلمی اس کے حق میں ممکن نہیں بلکہ ایسی حالت کا اس پر طاری ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس لاعلمی کے حال میں نبی نورِ نبوّت سے محروم ہوجائے یعنی اس وقت وہ نبی نہ رہے حالانکہ نبوّت ایسی صفت نہیں کہ کسی نبی میں کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے اور نورِ نبوّت اس سے کسی حال میں سلب نہیں کیا جاتا۔ ایسی صورت میں لاعلمی کا عذر پیش کرنا بجائے خود لاعلمی کی دلیل ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ نبوّت و رسالت کے کسی کمال کی تکمیل اور اس کے ظہور کے لیے یا اللہ تعالےٰ کی کسی دوسری حکمت کے پورا ہونے کی بنا پر کسی وقت خاص میں نبی پر کسی صفت محمودہ جیسے رحم و کرم، شفقت و رافت کے حال کا غلبہ ہوجائے اور اس کے باعث تھوڑے سے وقت کے لیے نبی پر ہلکا سا عدم التفات یا نسیان طاری ہوجائے تاکہ اس حال میں کمال نبوّت کی تکمیل و ظہور ہو سکے اور اللہ تعالےٰ کی وہ حکمت جس کا پورا ہونا اسی حالت عدم التفات پر موقوف رکھا گیا تھا پوری ہوجائے جس کی مثالیں بکثرت انبیاء علیہم السلام کے بے شمار واقعات کے ضمن میں قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

مثلاً آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے علاوہ اللہ تعالےٰ کے دوسرے نبیوں بالخصوص آقائے نامدار، تاجدار مدنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں اس قسم کے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، لیکن ان میں سے کوئی واقعہ ایسا نہیں جو کسی لحاظ سے بھی منصب نبوت کے منافی ہو بلکہ ان سب کی نوعیت یہ ہے کہ ان سے کمالاتِ نبوّت کا ظہور اور اللہ تعالےٰ کی حکمتوں کی تکمیل وابستہ ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک منصب نبوّت کے بارے میں شرمناک تصور کی ایک جھلک ہم ناظرین کرام کے سامنے بائبل کے حوالہ سے پیش کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق جو اخلاق سوز واقعات اہل کتاب کے یہاں پائے جاتے ہیں ان کا تفصیلی بیان ہمارے لیے ناممکن ہے۔

اہل علم حضرات سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ بعض اہل اسلام ناقلین و مورخین نے بھی اپنی سادہ لوحی کی بنا پر وہ بعض حکایات نقل کر دیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور منصب نبوت کے منافی ہیں۔ متاخرین علماء نے جب انھیں کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں پرکھا اور ان کی چھان بین کی تو ان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ یہ سب حکایات و روایات محض بے اصل ہیں اور اہل کتاب کے افترا اور بہتان کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور ان کے علاوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیگر مفسرین کرام نے اپنی تصانیف جلیلہ میں ان کا ردّ و ابطال فرمایا جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرہ میں جابجا اس کی تصریحات موجود ہیں۔ لیکن ان بعض اہل علم مصنفین پر انتہائی افسوس ہے جنھوں نے اس قسم کی بے سرپا روایات سے متاثر ہو کر عصمت انبیاء علیہم السلام کا انکار کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے عصمت نبوت کے خلاف دلائل قائم کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انشاء اللہ ہم آگے چل کر ان کے جوابات ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ غالباً انھوں نے بائیبل کے آسمانی کتاب ہونے کی وجہ سے اس کے تمام بیانات کو قابل قبول سمجھ لیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ آسمانی کتاب میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ خصوصیت صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس میں تحریف کلمات ممکن نہیں اسی لیے اس کے نظم کو بھی معجز قرار دیا گیا اور فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ قرآن مجید ایسا کلام الٰہی ہے جس کا کوئی حصہ الگ کر کے غیر اللہ کے کلام کا پیوند اس میں نہیں لگایا جا سکتا۔ اور تورات و انجیل کے متعلق صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ یحرفون الكلم عن مواضعه۔ مختصر یہ کہ قرآن کا معجز ہونا جن بے شمار حکمتوں کا حامل ہے ان میں ایک عظیم الشان حکمت یہ بھی ہے کہ الفاظ قرآن میں تحریف کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا خاتم النبیین ہیں۔ اگر آپ کی لائی ہوئی کتاب کے الفاظ میں بھی تحریف ہو جائے تو اس کے ازالہ کے لیے کسی نبی کی بعثت ضروری قرار پائے گی جو ختم نبوت کے منافی ہے۔

چونکہ اس وقت ہمارا موضوع عصمت انبیاء ہے اس لیے ہم اس مسئلہ کو یہاں زیادہ طول نہیں دینا چاہتے۔

دین سماوی کا وجود عصمت نبوّت پر موقوف ہے

جب یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ آسمانی دین صرف انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے نازل ہوا ہے تو عصمت نبوت سے بھی مجال انکار باقی نہیں رہتی کیونکہ جو شخص مجروح ہوتا ہے وہ خود صراط مستقیم پر قائم نہیں رہتا چہ جائے کہ دوسروں کو خدا کے دین اور صراط مستقیم کی طرف بلائے۔

عصمت نبوّت کا عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے دامن نبوّت کو ان تمام عیوب و نقائص اور ذمائم و قبائح سے پاک قرار دیا جو عظمت نبوت کے منافی ہیں۔ اسلام کے سوا کسی دین میں عصمتِ نبوّت کا عقیدہ نہیں پایا جاتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہمارا موضوع ہے عصمۃ انبیاء علیہم السلام جس کے معنی ہیں نبیوں کی عصمت۔ لہٰذا ہم نبی اور عصمت دونوں کے معنی پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ناظرین کرام اصل موضوع کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

نبی

لفظ "نبی" منقول عرفی ہے یعنی اسے لغت سے عرف شرع میں نقل کیا گیا ہے۔ پہلے ہم لفظ نبی کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں جس کے ضمن میں اس کے ماخذ (نبوّۃ) کے معنی پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔ کیونکہ مشتق میں اس کے ماخذ کے معنی کا پایا جانا ضروری ہے۔

لفظ "نبی" کے معنی

نبی کے معنی (۱) مخبر یعنی خبر دینے والا (۲) مخبَر یعنی خبر دیا ہوا (۳) طریق واضح (۴) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکلنے والا (۵) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالا ہوا (۶) پوشیدہ اور ہلکی آواز سننے والا (۷) ظاہر (۸) رفعت اور بلندی والا۔

لفظ نبی کے منقولہ بالا آٹھ معنی لغوی ہیں اور عرف شرع میں نبی اس مقدس انسان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایسا مصطفیٰ، مخلص اور برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ یہ فرمائے کہ میں نے تجھے فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف اپنا مبلغ، پیغامبر اور نبی بنایا ہے، یا میری طرف سے میرے بندوں کو میرے احکام پہنچا دے یا اس قسم کے اور الفاظ جو ان معنی کا فائدہ دیتے ہیں جیسے بعثتك ونبئهم اللہ تعالیٰ لسے فرمائے اور "نبوّۃ" عرف شرع میں اخبار عن اللہ کو کہتے ہیں۔ بعض علماء نے اطلاع علی الغیب سے بھی نبوّت کی تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے 'شفا شریف' میں علامہ قسطلانی نے 'مواہب لدنیہ' میں ارقام فرمایا ہے۔

لفظ نبی کے یہ آٹھ لغوی معنی جو بیان کیے گئے ہیں وہ سب عرفی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے خبردار کیا جاتا ہے اس لیے مخبَر ہے۔ اور ارشادات خداوندی کی خبر اپنی امت کو دیتا ہے لہٰذا مخبِر ہے، اور اس کی ذات نجات اخروی کا روشن راستہ اور معرفت خداوندی کا وسیلہ ہے اس لیے وہ طریق واضح ہے۔ اللہ کا نبی دشمنوں کی انتہائی ایذا رسانی کے بعد بحکم ایزدی ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے، یا کفار کی طرف سے شدید عداوت کی بنا پر بظاہر اس کا اخراج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل میں آتا ہے اس لیے وہ خارج اور مخرج بھی ہے۔ نبی وحی الٰہی کی صوت خفی اور ہلکی آواز سنتا ہے لہٰذا اس میں صوت خفی سننے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ نبی علامات نبوّت، معجزات و آیات کا حامل ہونے کی وجہ سے کمال ظہور کی صفت سے متصف ہوتا ہے اس لیے وہ ظاہر بھی ہے جسمانی اور روحانی اعتبار سے اللہ کے نبی کا مقام سب سے بلند ہوتا ہے اس لیے اس میں رفعت اور بلندی کے معنی بھی موجود ہیں۔ نبوّت اور نبی کے معنی کی یہ تفصیلات ہم نے حسب ذیل کتب سے اخذ کی ہیں۔ مسامرہ۔ نبراس۔ شرح مواقف۔ مفردات امام راغب اصفہانی۔ اقرب الموارد۔ شفاء قاضی عیاض۔ مواہب لدنیہ۔ عبارات مع تراجم ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ مسامرہ میں ہے

"واما اصله لغة فلفظه بالهمز وبه قرأ نافع من النباء وهو الخبر فعيل بمعنى اسم الفاعل اى مُنَبِّئٌ عن الله وبمعنى اسم المفعول اى مُنَبَّأً لان الملك ينبئهم عن الله بالوحى وبلا همز وبه قرأ الجمهور وهو اما مخفف المهموز بقلب الهمزة واواً ثم ادغام اليأ فيها واما من النبوة او النباوة بفتح النون فيهما اى الارتفاع فهو ايضاً فعيل بمعنى اسم الفاعل او بمعنى اسم المفعول لان النبى مرتفع الرتبة على غيره او مرفوعها" انتہیٰ مسامرہ جلد دوم طبع مصر ص ۸۳

از روئے لغت لفظ نبی کی اصل ہمزہ سے ہے یہی نافع کی قرأت ہے کہ انھوں نے اسے نباء سے مشتق مانا ہے جس کے معنی "خبر" ہیں۔ (اس تقدیر پر) لفظ نبی فعیل کے وزن پر اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔ یا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں منجانب اللہ خبر دیا ہوا۔ اس لیے کہ فرشتہ نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ساتھ خبر دیتا ہے، اور بلا ہمزہ کے بھی اس کی اصل ہو سکتی ہے۔ جمہور کی قرأت یہی ہے۔ اور اس قول پر لفظ نبی کو مہموز کا مخفف مانا جائے گا بایں طور کہ اس کا ہمزہ واؤ سے بدلا گیا ہے پھر اس میں یا کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ وہ 'نبوۃ' یا نباوۃ سے ماخوذ ہے۔ ان دونوں میں نون مفتوح ہے۔ ان دونوں لفظوں کے معنی ہیں "ارتفاع"۔ اس تقدیر پر بھی لفظ نبی فعیل کے وزن پر اسم فاعل یا اسم مفعول ہے۔ کیونکہ نبی اپنے غیر پر بلند مرتبہ رکھنے والا ہوتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ وہ رتبہ کے اعتبار سے بلند کیا ہوا ہوتا ہے۔

۲۔ نبراس میں ہے

"فالنبى مشتق من النبأ بفتح الباء وهو بمعنى الاخبار او الظهور او من النبأة بسكون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الباء وهو الصوت الخفی وکل من المعانی الثلاثة صحیح فی النبی لانه مخبر وظاهر الحقیقة وسامع الوحی۔" نبراس ص ۸

پس لفظ نبی نباء بفتح الباء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "اخبار" یا "ظہور"۔ یا نباۃ بسکون الباء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "پوشیدہ آواز" اور یہ تینوں معنی نبی میں پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ خبر دینے والا بھی ہے اور (علامات نبوت کے ساتھ بحیثیت نبی ہونے کے) ظاہر الحقیقت ہے اور وحی الٰہی (صوت خفی) کو سننے والا ہے۔

۳۔ شرح مواقف میں ہے

"المقصد الاول فی معنی النبی) وھو لفظ منقول فی العرف عن مسماہ اللغوی الی معنی عرفی اما المعنی اللغوی (فقیل ھو المنبئ) واشتقاقه (من النبأ) فھو حینئذٍ مھموز لکنه یخفف ویدغم وھذا المعنی حاصل لمن اشتھر بھذا الاسم (لانبائه عن الله تعالٰی وقیل) النبی مشتق (من النبوة وھو الارتفاع) یقال تنبئ فلان اذا ارتفع وعلٰی والرسول عن الله تعالٰی موصوف بذلك (لعلو شانه) وسطوع برھانه (وقیل من النبی وھو الطریق لانه وسیلة الی الله)

شرح مواقف جلد ۸ صفحہ ۲۱۷ - ۲۱۸ طبع مصر

"پہلا مقصد نبی کے معنی میں" لفظ نبی اپنے لغوی مسمیٰ سے عرف شرع میں معنی عرفی کی طرف منقول ہے اس کے لغوی معنی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا" اور اس کا اشتقاق النباء سے ہے اس لیے وہ مھموز ہوگا مگر مخفف اور مدغم فیہ"۔ اور یہ معنی یعنی" خبر دینے والا" ہر اس مقدس شخص میں پائے جاتے ہیں جو نبی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ منجانب اللہ خبر دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نبوۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "ارتفاع"۔ عرب کے محاورہ میں تنبیّ فلان اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص رفیع المرتبت اور بلند رتبہ ہو جائے۔ اور اللہ کا نبی اپنی شان کی بلندی اور برہان نبوت کی روشنی کی وجہ سے اس کمال کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اس لفظ نبی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "الطریق" یعنی" راستہ" کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف وسیلہ ہوتا ہے۔

۴۔ مفردات میں ہے

" والنبأ الصوت الخفی" مفردات ص ۵۰۰

نباء (بسکون الباء) صوت خفی کو کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی مفردات امام راغب میں ہے

" النبی بغیر ھمز . . . . . وقال بعض العلماء ھو من النبوۃ ای الرفعۃ سُمّی نبیّاً لرفعۃ محلہ عن سائر الناس المدلول علیہ بقولہ و رفعناہ مکانا علیا . . .

. . . والنبوۃ والنباوۃ الارتفاع " مفردات ص ۵۰۰ طبع مصر

بعض علماء نے کہا ہے کہ " نبی " " نبوۃ " سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں رفعت (بلندی) اور نبی کا نام نبی اس لیے رکھا گیا کہ اس کا مقام تمام لوگوں سے اونچا ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا قول و رفعناہ مکانا علیا دلالت کرتا ہے ۔ اور (لغت میں) " نبوۃ " اور " نباوۃ " کے معنی ارتفاع ہیں ۔

۵ ۔ اقرب الموارد میں ہے

" (النبوۃ) اسم من النبیٔ وھی الاخبار عن اللہ تعالیٰ ویقال النبوۃ بالقلب والادغام " اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۲۵۹ طبع مصر

" النبوۃ " اسم ہے " النبیٔ " سے اور وہ نبوۃ اخبار عن اللہ تعالیٰ کے معنی میں ہے اور اس لفظ النبوۃ کو قلب وادغام کے ساتھ النبوۃ بھی کہا جاتا ہے ۔

اسی اقرب الموارد میں ہے

" النبی ایضاً الخارج من مکان الی مکان فعیل بمعنی فاعل وقیل المخرج فیکون فعیلا بمعنی مفعول " اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۲۵۹ طبع مصر

ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکلنے والے کو بھی " نبی " کہتے ہیں یہ فعیل کے وزن پر اسم فاعل ہے ۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف) نکالے ہوئے کو بھی " نبی " کہا گیا ہے ۔ اس تقدیر پر فعیل بمعنے مفعول ہوگا ۔

لفظ " نبی " کے عرفی معنی

۶ ۔ شرح مواقف میں ہے

(واما) مسماہ (فی العرف فھو عند اھل الحق) من الاشاعرۃ وغیرھم الملیین (من قال لہ اللہ) تعالیٰ ممن اصطفاہ من عبادہ (ارسلتک الی قوم کذا او الی الناس جمیعا او بلغھم عنی ونحوہ من الالفاظ) المفیدۃ لھذا المعنی کبعثتک و نبئھم " شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۱۷ طبع مصر

حق پرست علماء اشاعرہ وغیرہم اہل ملت کے نزدیک عرف شرع میں لفظ نبی کا مسمّی وہ مقدس شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے ایسا برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالےٰ فرمائے کہ میں نے تجھے اپنا پیغامبر بنا کر فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا یا میری طرف سے تو انھیں میرے احکام پہنچا دے۔ اور اس طرح کے الفاظ جن کا مفاد یہی معنی ہوں۔ جیسے بعثتک (میں نے تجھے مبعوث کیا) نبئھم (میری طرف سے میرے بندوں کو خبر پہنچا دے)۔

۷۔ شفاء قاضی عیاض میں نبوۃ شرعیہ کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی

"النبوۃ التی ھی الاطلاع علی الغیب" شفاء شریف، ص ۷۳

یعنی وہ نبوت جو اطلاع علی الغیب ہے۔

۸۔ بعینہٖ یہی عبارت مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے، دیکھیے مواہب لدنیہ جلد ا ص ۲۸۱۔

موضوع کلام کا جزو ثانی

موضوع کلام کے جزو اوّل کے بعد جزو ثانی کی طرف آیئے اور لفظ "عصمت" کے معنی پر غور کیجیے۔ ہم اختصار کے پیش نظر اس کے صرف اصطلاحی معنی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

عصمت کی تعریف

۱۔ مشہور کتاب تعریف الاشیاء میں علامہ میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں

"(العصمۃ) ملکۃ اجتناب المعاصی مع التمکن منھا" تعریف الاشیاء ص ۶۵ طبع مصر

گناہ کر سکنے کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمۃ ہے۔

۲۔ یہی عبارت اقرب الموارد میں ہے۔ ملاحظہ ہو اقرب الموارد جلد ۲ ص ۷۹۱ طبع مصر۔

۳۔ مفردات میں ہے

"وعصمۃ الانبیاء حفظہ ایاھم اولاً بما خصھم بہ من صفاء الجوھر ثم بما اولاھم من الفضائل الجسمیۃ والنفسیۃ ثم بالنصرۃ وتثبیت اقدامھم ثم بانزال السکینۃ علیھم وبحفظ قلوبھم وبالتوفیق"۔

مفردات امام راغب اصفہانی ص ۳۴۱ طبع مصر

"عصمۃ انبیاء" کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کا اپنے نبیوں کو (ہر قسم کی برائی سے) محفوظ رکھنا، اولاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صفاء جوہر کی وجہ سے جو انہی کے ساتھ خاص ہے پھر ان کے فضائل جسمیہ اور نفسیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالے نے انھیں عطا فرمائے۔ پھر اپنی نصرت خاص اور انھیں ثابت قدم رکھنے کے ساتھ پھر ان پر سکون وطمانیت نازل فرماکر اور ان کے قلوب کو کجروی سے بچاکر اور اپنی توفیق ان کے شامل حال فرماکر۔

۴۔ یہی مضمون دستور العلماء میں ہے۔ دیکھیے دستور العلماء جلد ۲، ص ۳۲۵

۵۔ نبراس میں ہے

العصمة ملكة نفسانية يخلقها الله سبحانه فى العبد فتكون سبباً لعدم خلق الذنب فيه۔" نبراس ص ۵۳۲۔

عصمت وہ ملکۂ نفسانیہ ہے جسے اللہ تعالے اپنے برگزیدہ بندے (نبی) میں پیدا کرتا ہے۔ جو اس میں گناہ پیدا نہ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

۶۔ شرح عقائد نسفی میں ہے

" وحقيقة العصمة ان لايخلق الله فى عبد الذنب مع بقاء قدرته واختياره

شرح عقائد نسفی، ص ۷۳

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قدرت اور اختیار کے باقی رہنے کے باوجود اللہ تعالے کا اس بندہ میں گناہ پیدا نہ کرنا۔

۷۔ اسی شرح عقائد میں بقول بعض علماء عصمۃ کی تعریف اس طرح بھی منقول ہے

" هى لطف من الله تعالے يحمله على فعل الخير و يزجره عن الشر مع بقاء الاختيار تحقيقاً للابتلاء"۔ شرح عقائد ص ۴"

عصمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا لطف ہے جو اللہ تعالے کے مقدس بندہ (نبی) کو فعل خیر پر برانگیختہ کرتا اور اسے شر سے بچاتا ہے، مع ابقاء اختیار کے تاکہ ابتلاء کے معنی برقرار رہیں۔

۸۔ مجمع بحار الانوار میں ہے

" والعصمة من الله دفع الشر"۔ جلد ۲، ص ۳۹۳

" عصمۃ من اللہ" دفع شر ہے۔

۹۔ مسامرہ میں ہے

" (العصمة) المشترطة معناها (تخصيص القدرة بالطاعة فلا يخلق له) اى

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لمن وصف بها (قدرة المعصية)" مسامرہ جلد ۲ ص ۱۰۱

عصمۃ مشترطہ کے معنی ہیں قدرت کا طاعت کے ساتھ خاص کر دینا۔ پس جو شخص اس عصمۃ کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اس کے لیے معصیت کی قدرت پیدا نہیں کی جاتی۔

نبوۃ و عصمۃ کے متعلق ہم نے اکابر علمائے امت کے اقوال نقل کر کے ان کا خلاصہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کر دیا ہے اور تفصیلی ابحاث کو صرف اختصار کلام کے لحاظ سے نظر انداز کر دیا ہے۔ اجزائے موضوع کی تشریح کے بعد ضرورت نبوت پر بھی کلام کرنا ضروری ہے تا کہ منکرین نبوت کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اس کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرنا ہے تا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ کے ساتھ عصمت کا تعلق اچھی طرح واضح ہو سکے۔

ضرورت نبوّت

اس میں شک نہیں کہ انسان میں جسمانیت، حیوانیت اور ملکیت سب کچھ موجود ہے جسم کے متعلقات و مناسبات جسمانیت کے لیے ضروری ہیں جیسے زمان و مکان، تشکل و تناہی، ہیئت و مقدار وغیرہ اور حیوانیت کے لوازمات و ملحقات حیوانیت کے لیے لازم ہیں جیسے کھانا پینا اور اس کے متعلقات۔ علیٰ ہذا القیاس ملکیت کے مصححات و متعلقات کا ملکیت کے لیے ہونا ضروری ہے جیسے تسبیح و تحمید۔ لیکن جس طرح جسمانیت و حیوانیت و ملکیت تینوں انسان کے اردگرد گھومتی ہیں اسی طرح ان کے جملہ ضروریات و مناسبات بھی ضروریات و مناسبات انسانیہ کے آس پاس گردش کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ انسان کل کائنات کے حقائق لطیفہ کا مجموعہ ہے اور سب مخلوقات انسان کی خادم اور انسان سب کا مخدوم ہے۔ لہذا کل مخلوقات کی ضروریات انسان کی ضروریات کی خادم اور انسانی ضروریات سب کی مخدوم ہیں۔ گویا کل کائنات کی ضروریات، ضروریات انسانیہ کے محور پر گھوم رہی ہیں۔ دنیائے انسانیت کا یہ عظیم الشان نظام دامن نبوت سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہ نبوت سے قائم نہیں ہوا وہ حیوانیت اور بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے۔

ضرورت نبوّت پر پہلی دلیل

مقصد تخلیق کے حصول کا موقوف علیہ ہمیشہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ انسان معرفت الٰہیہ کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کیا گیا ہے اور خدا کی معرفت کا حاصل ہونا نبوّت و رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے نبوّت و رسالت کا وجود انسان کے لیے ضروری ہے۔ منکرین نبوت کا یہ کہنا علم و عقل کی روشنی میں قطعاً باطل ہے کہ جب انسان کے پاس حواس اور عقل دونوں موجود ہیں تو اسے نبوّت و رسالت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں عرض کروں گا خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے نہ حواس کافی ہیں نہ عقل! جن لوگوں نے خدا کی معرفت کے لیے حواس کو کافی سمجھا وہ محسوسات اور مظاہر کائنات کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ اور جنھوں نے عقل پر اعتماد کیا ان میں اکثر لوگ خدا کے منکر ہو گئے اور جو صریح انکار کی جرأت نہ کر سکے انھوں نے ذات و صفات کے مسائل میں ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ معرفت کی راہوں سے بہت دور جا پڑے اور عقل ناتمام کی وادیوں میں بھٹک کر ظنون و اوہام کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا: ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون۔ رہا یہ امر کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی معرفت ضروری ہے یا نہیں۔ تو یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس پر ہم کسی دوسرے مقام پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ مصنوع کا وجود صانع کے وجود کی دلیل ہے۔ اور مصنوع کی تخلیق کسی حکمت و مقصد کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور کسی مصنوع کی حکمت تخلیق کا فوت ہو جانا اس مخلوق کے عبث ہونے کو مستلزم ہے۔ انسان کے اوصاف و خواص اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے خالق کا مظہر ہے۔ اب اگر وہ اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی نہ پہچانے تو اس نے خود اپنے وجود کو عبث قرار دیدیا اور اگر پہچانے تو چونکہ وہ ذات باری تعالےٰ کا مظہر ہے لہذا اپنے آپ کو صحیح معنی میں پہچاننا در اصل اپنے خالق کو پہچاننا ہے جیسا کہ مشہور ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ معرفت خدا وندی کے بغیر انسان کا وجود عبث ہے، اور اگر انسان چاہتا ہے کہ میرا وجود عبث نہ ہو تو معرفتِ الٰہیہ کے بغیر اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں۔

ضرورت نبوّت پر دوسری دلیل

قانون فطرت یہ ہے کہ ہر نوع کے مدرکات کو معلوم کرنے کے لیے اسی نوع کا ادراک عطا کیا گیا ہے۔ مثلاً مبصرات کو جاننے کے لیے ادراک بصری اور مسموعات کے لیے ادراک سمعی، علیٰ ہذا القیاس پانچوں حواس کو سمجھیے۔ ہر نوع محسوس کے لیے اسی نوع کا حاسہ ہمارے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد معقولات کا وجود ہے جنھیں معلوم کرنے کے لیے عقل عطا فرمائی گئی۔ ادراک انسانی کی تگ و دو حواس و عقل سے آگے نہ تھی مگر اس کی ضروریات کا تعلق ان دونوں سے آگے تھا جسے عالم غیب کہا جاتا ہے۔ جب تک اس عالم تک کسی کی رسائی نہ ہو اس مقام کے ساتھ متعلقہ انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ نبوت جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اطلاع علی الغیب ہی کا نام ہے۔ لہذا انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لیے نبوۃ کا ہونا ضروری ہے۔

ضرورت نبوّت پر تیسری دلیل

حاسّہ سبب ادراک ہے اور اس سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے، لہذا اس کے ازالہ کے لیے عقل کا اس پر حاکم ہونا ضروری تھا۔ مگر جب عقل بھی ٹھوکر کھائے تو اس کا ازالہ نہ عقل کر سکتی ہے نہ حواس۔ کیونکہ حواس عقل کے محکوم ہیں اور عقل بحیثیت عقل ہونے کے مساوی ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ عقل پر ایسی چیز کو حاکم تسلیم کیا جائے جو غلطی سے پاک ہو اور وہ نبوۃ ہے۔ کیونکہ نبوۃ ہی غلطی سے مبرّا ہے۔ لہذا اختلاف عقل کی مضرتوں سے بچنے کے لیے "نبوۃ" کو ماننا ضروری ہوا۔ نبوۃ کا غلطی سے پاک ہونا ہی عصمۃ نبوۃ کا مفہوم ہے۔ معلوم ہوا کہ "عصمۃ" لوازم نبوۃ سے ہے۔ اس مقام پر زلّات انبیاء علیہم السلام سے وہم پیدا کرنا درست نہیں۔ انشاء اللہ یہ مفصل بحث ہم آگے چل کر ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

استدراک

شاید اس بیان کی روشنی میں ضرورت نبوۃ کے ساتھ اجرائے نبوۃ کا شبہ پیدا کر لیا جائے اس لیے گذارش ہے کہ ضرورت نبوۃ سے اجرائے نبوۃ ہرگز لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ نوع انسانی اپنی حیات کے منازل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس کے لیے جو نظام مقرر کیا جائے قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لیے وہی قابل عمل ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ میں نے آج تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اور میں نے تمھارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ارشاد خداوندی منکرین ختم نبوت کے اس شبہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوۃ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے دامن سے ایسا دین دالبستہ ہے جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبوت ورسالت محمدیہ ہی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا متصور نہیں۔ ضرورت نبوۃ کے لیے اجراء نبوۃ کو لازم سمجھنا اکمال دین کے منافی ہے۔

ضرورت نبوّت کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرتے چلیں تاکہ عصمت ونبوۃ کا باہمی تعلق اور زیادہ واضح ہو جائے۔

قرآن کریم میں بعثت انبیاء علیہم السلام کی حکمتیں بکثرت آیات میں بیان کی گئی ہیں جن میں بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء

۲۔ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین۔ پارہ ۷ سورۃ انعام

۳۔ ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔ پارہ ۲۲ سورۃ احزاب

۴۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء

۵۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ پارہ ۴ سورۃ آل عمران

"ضرورت نبوۃ" کے ضمن میں جن امور کو ہم نے بیان کیا ہے، یہ آیات مبارکہ روز روشن کی طرح ان کی تائید کرتی ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے متعلق حسب ذیل حکمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالےٰ کے بندوں سے اللہ کی اطاعت کرانا۔

۲۔ عالم غیب سے متعلق آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نجات اخروی اور سعادت ابدی کے لیے شرط ہونا۔

۴۔ اطاعت رسول کا اطاعت خداوندی ہونا تاکہ بندوں کے لیے اطاعت الٰہی کی راہ متعین ہو جائے۔

۵۔ آیات الٰہیہ کو تلاوت کرنا۔

۶۔ ایمان والوں کا ظاہر و باطن پاک کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینا۔

بیان سابق کی تفصیلات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اگر نبوت ورسالت کے ان مناصب اور بعثت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو یقیناً عصمت نبوت کا اقرار کرنا پڑے گا۔

کم ازکم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہیں کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسیٔ عدالت پر بٹھانا، ان پڑھ آدمی کو علم وحکمت کی موشگافیوں کا کام سونپنا، کسی بدکار فاسق وفاجر کو عفیفات کی عزت وناموس کی حفاظت کے لیے متعین کرنا، بیمار و ناتواں کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا، گمراہ سے ہدایت طلب کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر ہی اللہ تعالےٰ ان کی انجام دہی کا منصب انبیاء علیہم السلام کو سونپ دے؟ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ نے منصب نبوت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں جن کا ہونا ان کے لیے ضروری تھا اور یہی عصمت کا مفہوم ہے جس کے بغیر نبوت ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج!

مسئلہ عصمت میں اقوال علماء

امور تبلیغیہ میں کذب عمد سے عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جمیع اہل ملل وشرائع کا اجماع ہے، اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ تبلیغ میں انبیاء علیہم السلام سے عمداً صدور کذب عقلاً محال ہے۔ شرح مواقف میں اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اذلوجاز علیھم التقول والافتراء فی ذالک عقلا لادی الی ابطال دلالۃ المعجزۃ وھو محال"۔ شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۶۳ طبع مصر۔

کیونکہ اگر یہ (کذب عمد فی التبلیغ) عقلاً جائز ہو تو دلالت معجزہ کے ابطال کی طرف مؤدی ہوگا اور وہ محال ہے۔

البتہ علیٰ سبیل السہو والنسیان' میں قاضی ابوبکر نے اختلاف کیا ہے، مگر ائمہ اعلام اس میں بھی عقلاً عدم جواز ہی کے قائل ہیں۔ رہے باقی ذنوب یعنی کذب فی التبلیغ کے علاوہ۔ تو وہ کفر ہوں گے یا غیر کفر۔ عصمت عن الکفر پر اجماع امت ہے عام اس سے کہ قبل النبوۃ ہو یا بعد النبوۃ۔ اس اجماع کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف خوارج کے ایک خاص گروہ ازارقہ کا قول پایا جاتا ہے جو اہل حق کے نزدیک باطل و مردود ہے۔
قائلین تقیہ نے انبیاء علیہم السلام سے خوف کے وقت تقیۃً اظہار کفر کو جائز مانا ہے۔ مگر اہل حق کے نزدیک یہ قول بھی قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ یہ اخفائے دعوت اور ترک تبلیغ رسالت کی طرف مفضی ہے جو انبیاءً علیہم السلام کے حق میں محال ہے۔

اب ان گناہوں کے متعلق سنیے جو کفر کے ماسوا ہیں تو ان کی دو قسمیں ہیں کبائر و صغائر۔ ان میں سے ہر ایک کے دو حال ہیں یا ان کا صدور عمداً ہوگا یا سہواً۔ دو کو دو سے ملاکر چار قسمیں حاصل ہوئیں۔ کبیرہ عمداً، کبیرہ سہواً، صغیرہ عمداً، صغیرہ سہواً۔ ان اقسام اربعہ میں سے ہر ایک قبل البعثت ہوگا یا بعد البعثت۔ انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً بعد النبوۃ شرعاً محال ہے، قول مختار یہی ہے۔ قبل النبوۃ اکثر مشائخ کے نزدیک محال نہیں۔ اسی طرح عمداً بعد البعثت صغائر کا صدور بھی محال ہے، سہواً میں اختلاف ہے، اکثر مشائخ جواز (یعنی امکان) کے قائل ہیں۔ لیکن جو صغائر رذالت و خست اور دناءۃ کا موجب ہوں بالاتفاق ان کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ممکن نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس محققین اہلسنّت کے نزدیک، انبیاء علیہم السلام ان امور سے بھی معصوم ہیں جو موجب نفرت ہوں جیسے امہات و زوجات کا فجور اور آباء کی دناءۃ و رذالت۔ مختصر یہ کہ باب ذنوب میں جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی نبوت کے زمانہ میں کبائر سے مطلقاً اور صغائر عمداً سے معصوم ہیں، اور انھوں نے اپنے اس دعویٰ پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

پہلی دلیل: از روئے قرآن و اجماع انبیاء علیہم السلام کی اتباع فرض ہے۔ قال اللّٰہ تعالےٰ: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ اور گناہ حرام ہے۔ اگر کسی نبی سے گناہ صادر ہو تو اس کی اتباع حرام ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ گناہ بھی کرنا پڑے گا جو نبی نے کیا ورنہ اس کی اتباع نہ ہو سکے گی اور گناہ حرام ہونے کی وجہ سے نبی کی اتباع بھی حرام ہوگی۔ اور نبی کی اتباع کا حرام ہونا قطعاً باطل ہے۔ لہذا نبی سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل ہوگا۔

دوسری دلیل: اجماع اور قرآن کی رو سے گنہگار کی شہادت مردود ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو معاذ اللہ وہ مردود الشہادۃ قرار پائیں گے اور یہ قطعاً محال ہے۔ لہذا ان سے گناہ کا ہونا بھی محال ہے۔

تیسری دلیل: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو انھیں گناہ سے باز رکھنے کے لیے زجر کرنا پڑے گا جو ایذا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ایذا قطعاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرام ہے۔ لہٰذا ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔

چوتھی دلیل: "گناہ" ظلم ومعصیت اور موجب ملامت ومذمت ہے اور ظالم وعاصی کے حق میں لعنت اور نار جہنم کی وعید قرآن کریم میں وارد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ومن یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم (پارہ ۲۹ سورۃ جن)۔ نیز فرمایا: الا لعنۃ اللہ علی الظالمین (پارہ ۸ سورۃ الاعراف) اسی طرح ملامت ومذمت بھی وارد ہے۔ ارشاد فرمایا: لم تقولون مالا تفعلون (پارہ ۲۸ سورۃ الصف)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے: اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (پارہ ۱ سورۃ بقرہ) اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہو تو خاکم بدہن وہ نار جہنم کے مستحق، ملامت کے حقدار اور ملعون و مذموم ہوں گے جو قطعاً باطل ہے۔ لہٰذا ان سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل و مردود ہے۔

پانچویں دلیل: اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ صادر ہوں تو وہ اپنی امت کے گناہگاروں سے بھی زیادہ بدحال اور گئے گذرے ہوں گے۔ کیونکہ بزرگی اور کرامت میں جس قدر زیادہ مرتبہ بلند ہو، گناہ کرنے پر اسی قدر عقلاً ونقلاً زیادہ عذاب کا استحقاق ہوتا ہے۔ نبوت سے زیادہ بلند کوئی مرتبہ نہیں اس لیے نبی کے گناہ کا عذاب تمام گناہگاروں کے عذاب سے زیادہ ہوگا اور یہ ایسی زبوں حالی ہے جو نبی کے حق میں متصور نہیں۔ لہٰذا گناہ کا صدور بھی کسی نبی سے نہیں ہوسکتا۔

چھٹی دلیل: "گناہ" اپنے نفس پر ظلم ہے اور ظالم اللہ تعالےٰ کے عہد کو نہیں پاسکتا۔ قرآن مجید میں ہے: لاینال عہدی الظالمین (پارہ ۱ سورۃ بقرہ)۔ نبوت سب سے بڑا عہد ہے جو کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ انبیاء علیہم السلام نے جب عہد نبوت کو پالیا تو ثابت ہوگیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

ساتویں دلیل: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالےٰ کے عباد مخلصین ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد الٰہی وارد ہے: انہ من عبادنا المخلصین (پارہ ۱۲ سورۃ یوسف) اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: انہ کان مخلصا وکان رسولاً نبیاً (پارہ ۱۶ سورۃ مریم)۔ اور حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص)۔ المخلصین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے لیے خاص کر لیتا ہے اور الخیس ہر اس چیز سے معصوم کر دیتا ہے جو طاعت خداوندی کے خلاف ہے۔ اس لیے مخلصین سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔ اور اسی بنا پر شیطان نے کہا تھا: لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں سب کو بہکاؤں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔ اللہ تعالےٰ نے اس بات میں اس کی تکذیب نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمائی بلکہ : ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (پارہ ۱۴ سورۃ ابراہیم) کہہ کر تصدیق فرمائی۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور گناہوں کا ارتکاب ان سے نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ ان کا مصطفٰی اور اخیار (یعنی برگزیدہ اور پسندیدہ) ہونا ان کی عصمت عن المعصیۃ کو اور بھی زیادہ واضح کر رہا ہے۔ اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ بعض انبیاء غیر مخلص ہیں اور بعض مخلص غیر انبیاء ہیں۔ اگر مخلص ہونا عصمت کی دلیل ہے تو غیر مخلص نبی کی عصمت ثابت نہ ہو گی، اور مخلص غیر نبی کا معصوم ہونا بھی لازم آجائے گا حالانکہ یہ دونوں امر مستدل کے نزدیک باطل ہیں۔ تو میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ اس وقت درست ہو سکتا تھا جب کہ انبیاء علیہم السلام کو عام لغوی معنی کے اعتبار سے مخلص کہا جائے۔ لیکن قرآن مجید میں ایسے خاص معنی کے لحاظ سے انبیاء کرام کو مخلص فرمایا گیا ہے جو نبوّت کی خصوصیات اور اس کے لوازمات سے ہیں جن کی رو سے ہر نبی کا مخلص ہونا ضروری ہے اور کسی غیر نبی کا مخلص ہونا ممکن نہیں۔ جیسا کہ سورۃ ص کی آیت منقولہ بالا: انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار سے واضح ہے کہ یہاں اللہ تعالٰی نے انا اخلصناھم فرما کر "اخلص" فعل کی اسناد اپنی ذات مقدسہ کی طرف فرمائی۔ یعنی ہم نے انھیں مخلص بنایا پھر آیۃ مبارکہ میں ان کے مخلص ہونے کا سبب خالصۃ کو قرار دیا گیا ہے اور ذکری الدار اس کا بیان ہے۔ خالصۃ کی تنوین تنکیر برائے تعظیم ہے یعنی اللہ تعالٰی نے انھیں خصلت خالصہ عظیمہ و جلیلہ کے سبب مخلص کیا ہے جو آخرت کی یاد ہے اور یاد آخرت سے مراد ان کا انذار و تبشیر ہے جس کا ذکر آیۃ کریمہ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین (پارہ ۷ سورۃ انعام) میں وارد ہے۔ یوں تو ہر ایک یاد آخرت کر لیتا ہے لیکن اللہ تعالٰی سے بصیرت و یقین پا کر نعمائے جنت کی خوشخبری سنانے اور عذاب نار سے ڈرانے پر مامور ہو کر یاد آخرت کرنا ایسی خصلت خالصہ عظیمہ و جلیلہ ہے جو نبوت کا خاصّہ اور لازمہ ہے۔ نیز اس نوعیت سے بشیر و نذیر ہونا اور آخرت کی دائمی یاد کرنا ہر نبی کے لیے لازم اور نبوّۃ کا خاصہ ہے۔ اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہر نبی مخلص ہونے کی وجہ سے معصوم ہے اور کوئی غیر نبی ان معنی میں مخلص نہیں جو انبیاء مخلصین میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی غیر نبی کا معصوم ہونا لازم نہیں آتا۔

آٹھویں دلیل: اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا، ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقاً من المؤمنین (پارہ ۲۲ سورۃ سبا) وجہ استدلال یہ ہے کہ الا فریقاً من المؤمنین سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں یا ان کی امت کے مومنین؟ بر تقدیر اول ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اتباع شیطان ہی گناہ ہے، جب وہ اتباع شیطان سے محفوظ رہے تو یہی محفوظیت ان کے حق میں عصمت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برتقدیر ثانی انبیاء علیہم السلام کا اتباع شیطان سے محفوظ رہنا بالطریق اولی ثابت ہو گا کیونکہ جب کی امت کے مومنین شیطان کے ممتنع نہیں وہ نبی کیونکر اس لعین کا متبع ہو سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شیطان کی اتباع سے بچنا تقوٰے ہے اور بدلالت نص قطعی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات) تقوٰے معیار فضیلت ہے۔ اگر الافریقاً من المؤمنین سے مومنین مراد لے کر انبیاء علیہم السلام سے صدور گناہ کا قول کیا جائے تو غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا جو بالاتفاق باطل ہے۔ ثابت ہوا کہ بہر تقدیر انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اس آیت کا مفاد ہے۔

نویں دلیل: اللہ تعالٰے نے مکلفین کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور مانا جائے تو کم از کم صدور معصیت کے وقت تو معاذ اللہ وہ ضرور ہی حزب الشیطان قرار پائیں گے کیونکہ مطیع حزب اللہ ہیں اور عاصی حزب الشیطان۔ اور حزب الشیطان خاسرین ہیں۔ لقولہ تعالیٰ: الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون (پارہ ۲۸ سورۃ المجادلہ) ایسی صورت میں العیاذ باللہ انبیاء کرام کو خواہ ایک آن ہی کے لیے ہو، خاسرین کہنا پڑے گا جو بداہتہً باطل ہے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور قطعاً ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں بکثرت افراد امت زہاد و عباد زمرۂ مفلحین میں داخل ہیں۔ پھر یہ عجیب بات ہو گی کہ افراد امت مفلحون ہوں اور انبیاء خاسرون۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ساء ما یحکمون۔

دسویں دلیل: اللہ تعالٰے نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا: انھم کانوا یسارعون فی الخیرات (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء) بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے۔ "الخیرات" جمع معرف باللام ہے اور ایسی جمع عموم کے لیے ہوتی ہے لہذا وہ فعل اور ترک دونوں سے متعلق سب نیکیوں کو شامل ہو گی فعل سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو عمل اور قول سے حاصل ہوتی ہیں جیسے نماز روزہ، حج و زکوٰۃ۔ اور ترک سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو کسی کام کو نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہیں جیسے جھوٹ، چوری، غیبت، زنا نہ کرنا۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح عبادات فعلیہ کا عمل میں لانا نیکی ہے اسی طرح گناہ کے کاموں کا نہ کرنا بھی نیکی ہے اور "الخیرات" کا لفظ سب کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہ کرنے میں بھی مسارعت کی صفت سے متصف ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالٰے کے قول: انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں لفظ "مصطفین" اور "اخیار" دونوں ہر اس فعل اور ہر اس ترک کو شامل ہیں جس میں نیکی، پسندیدگی اور برگزیدگی کے معنی پائے جائیں۔ اس عموم کی دلیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحت استثناء ہے۔ کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ فلان من المصطفین الا فی کذا او من الاخیار الا فی کذا۔ مستثنیٰ منہ کا عموم صحت استثناء کی شرط ہے جب یہاں استثناء صحیح ہے تو عموم ثابت ہو گیا اور عموم اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کل امور میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں لہذا ان سے گناہ کا صدور جائز نہ ہوا۔

استدراک

یہاں بعض لوگوں نے یہ شبہ وارد کیا ہے کہ اصطفاء صدور معصیت کے منافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا فمنھم ظالم لنفسہ (پارہ ۲۲ سورۃ فاطر) اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مصطفین کو تین قسموں میں منقسم کر دیا ظالم، مقتصد اور سابق۔ ان اقسام میں ظالم کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اصطفاء کے باوجود بھی گناہ ہو سکتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام آیت کریمہ میں مذکور نہیں نہ وہ الذین میں شامل ہیں۔ یہاں غیر انبیاء کا اصطفاء مذکور ہے اور غیر انبیاء کے اصطفاء پر انبیاء علیہم السلام کے اصطفاء کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اصطفاء کے مراتب مختلف ہیں ہر شخص کا اصطفاء اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال باقی تمام کائنات سے افضل و اکمل ہوتا ہے اس لیے ان کا اصطفاء بھی کل مخلوقات سے اکمل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے، لہذا غیر انبیاء کے (لغوی) اصطفاء کا صدور ذنب کے منافی نہ ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اکمل و اعلیٰ اصطفاء بھی صدور ذنب کے منافی نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فمنھم ظالم میں ضمیر مجرور "مصطفین" کی طرف نہیں بلکہ "عباد" کی طرف راجع ہے کیونکہ اقرب مذکورین کی طرف ضمیر کا لوٹنا اولیٰ ہے۔ لہذا اقسام ثلثہ (جن میں ظالم بھی شامل ہے) مصطفین کے نہیں بلکہ عباد کے ہیں۔ اس تقدیر پر شبہ مذکورہ اصل سے ساقط ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

زیر نظر مضمون کے اکثر مطالب اور عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ دس دلیلیں ہم نے شرح مواقف کو سامنے رکھ کر مرتب کی ہیں اور حسب ضرورت دلائل کی قوت کو واضح کرنے کے لیے بعض مقامات پر بسط کے ساتھ کلام کر دیا ہے۔ اہل علم حضرات سے امید ہے کہ وہ ہماری اس جرأت کو ضرورت پر محمول فرمائیں گے۔

اب ان مخالفین کی طرف آیئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد البعثت عمداً صدور کبائر و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صغائر کو جائز مانتے ہیں ۔

ان لوگوں کا استدلال قصص انبیاء علیہم السلام سے ہے جن میں سے بعض قصے قرآن وحدیث اور آثار صحابہ میں منقول ہیں جن سے بظاہر وہم پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے زمانہ نبوۃ میں گناہوں کا صدور ہوا۔ سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وہ واقعات اخبار آحاد میں منقول ہیں، یا بطریق تواتر۔ پہلی صورت میں واجب الرد ہیں اس لیئے کہ کسی راوی کی طرف خطا کا منسوب کر دینا انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ منسوب کرنے سے زیادہ آسان ہے ۔

برتقدیر ثانی چونکہ وہ دلائل عصمت سے متعارض ہیں اس لیے مؤل ہوں گے ! وجوہ تاویل، موقع محل، اور اقتضاء کلام کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوں گی۔ مثلاً بعض واقعات کو بشرط اقتضاء مقام قبل البعثت پر حمل کیا جائے گا۔ بعض میں اقتضاء مقام کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ان افعال کو جنھیں منکرین عصمت معصیت قرار دیتے ہیں " ترک اولی " کہا جائے گا۔ بعض مواقع ایسے بھی ہوں گے جہاں موقع محل کی مناسبت سے ان افعال کو صدور صغیرہ سہواً قرار دیا جائے گا۔ کسی جگہ موہم کلام کو دلیل کی روشنی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور کسر نفسی پر حمل کیا جائے گا۔

رہا یہ شبہ کہ ان افعال میں بعض ایسے ہیں جن کے لیے لفظ ذنب وارد ہوا جیسے لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک ۔ بعض وہ ہیں جن کے ارتکاب کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام نے استغفار فرمایا۔ نیز ان میں بعض ایسے افعال بھی ہیں جنھیں کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کا اعتراف کیا۔ پھر انھیں کیونکر ترک اولی یا صغائر صادرہ عن السھو پر حمل کیا جاسکتا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ترک اولی جیسے ہلکے امور کو ذنب سے تعبیر کرنے کی وجہ منصب نبوت کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کے درجات کی رفعت وبلندی ہے ۔ اور اسی عظمت ورفعت کے پیش نظر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے صغیرہ صادرہ عن السھو اور خلاف اولی کاموں پر اعتراف ظلم کر کے استغفار کیا۔

تعلیمات قرآنیہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین ؎

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

یہ بھی حق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عاجزی، تواضع، کسر نفسی کے لیے اعتراف ظلم اور استغفار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا۔ ان مقدسین کا ایسا کرنا دراصل اپنے رب کی بارگاہ میں تضرع وزاری ہے اور یہ اعتراف واستغفار ان کے انتہائی فضل وکمال پر دال ہے چہ جائیکہ اسے ان کے ظالم وعاصی ہونے کی دلیل بنا لیا جائے۔

مخالفین کے دلائل کا اجمالی جواب تو ہم دے چکے۔ البتہ اہل علم کی دلچسپی کے لیے تفصیلی گفتگو باقی ہے جسے ہم کسی دوسری فرصت پر ملتوی کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com